المعارف لاہور

جولائی - ستمبر 1996ء

مدیر اعلیٰ

رشید احمد (جالندھری)

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ

۲۔ کلب روڈ، لاہور

ترتیب

جلد 29 جولائی - ستمبر 1996ء / جمادی الاول - رجب 1417ھ شمارہ 9,8,7

مولانا کو کلمہ اور آیت باللہ پڑھائی اور استغفار اور توبہ
کرانے کے بعد کہا اب آپ مسلمان ہیں۔" (۱۱)

صحیح بات یہ ہے کہ ارباب دارالعلوم نے مذہبی اختلاف کا سہارا لے کر مولانا سندھی کو دارالعلوم دیوبند سے الگ کر دیا۔ مولانا سندھی اور شیخ الہند مولانا محمد حسن کی کاوشوں کے نتیجے میں علی گڑھ اور دیوبند کے ارباب حل و عقد ایک دوسرے کے قریب آ رہے تھے۔ اور ہر دو اداروں میں انگریز دشمنی کے جذبات ابھر رہے تھے۔ یہ بات دارالعلوم کے ارباب اہتمام' کو ناگوار گزری۔ کیونکہ ان دونوں درسگاہوں کے اصحاب نظم و نسق حکومت کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مولانا حافظ محمد احمد جو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے' شمس العلماء کا خطاب حکومت وقت سے قبول کر چکے تھے۔ حافظ محمد احمد' مولانا محمد قاسم نانوتوی کے فرزند تھے۔ حافظ صاحب "یو۔ پی حکومت سے خوش گوار تعلقات رکھتے تھے۔ اور مولانا محمود حسن کی سیاسی سرگرمیوں سے حکومت کو آگاہ کرتے رہتے تھے۔ پہلی جنگ عظیم میں مولانا محمود حسن ترک رہنماؤں سے مل کر آزادی ہند سے متعلق جو پروگرام بنانا چاہتے تھے۔ حافظ صاحب نے مختلف ذرائع سے اس پروگرام کا سراغ لگا لیا اور اس سے صوبائی گورنر کو آگاہ کر دیا۔ بعد میں حافظ صاحب مرحوم کو "شمس العلماء" کے خطاب سے نوازا گیا۔ جس پر "زمیندار" لاہور نے نوٹ لکھا۔ حافظ صاحب علماء کا ایک وفد لے کر گورنر سے ملے۔ ان کا شکریہ ادا کیا اور زمیندار کا نوٹ بھی انہیں پیش کیا۔ ان دستاویزات کے پیش نظر یہ کہنا صحیح ہو گا کہ حافظ صاحب مرحوم کے عہد تک دارالعلوم کے ارباب حل و عقد' حکومت وقت سے خوش گوار تعلقات رکھتے تھے' یوں نظر آتا ہے کہ حافظ صاحب مرحوم اس طریق سے دارالعلوم کو جنگ کے ہنگامی حالات میں حکومت کے عتاب سے بچانا چاہتے تھے۔" (۱۲)

دارالعلوم دیوبند کے ارباب اہتمام اور انگریزی سرکار کے درمیان

دوستانہ تعلقات کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ گورنر یو۔ پی کو دارالعلوم میں مدعو کیا گیا اور اس کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ جس پر حکومت وقت کا شکریہ ادا کیا گیا کہ حکومت نے حافظ محمد احمد کو شمس العلماء کا خطاب عطا فرما کر علماء کی عزت افزائی فرمائی۔ سپاسنامہ کے الفاظ کچھ یوں تھے۔

"یور آنر کی خدمت میں اور ان کے توسط سے ہندوستان کے حکمران ہزا یکسلینسی وائسرائے کی خدمت میں مولانا محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم (دیوبند) کو شمس العلماء کا خطاب اور خصوصی سند مرحمت فرمانے پر جو کہ علماء کی عزت افزائی اور شاہی عطایا کی روایت کا نمونہ ہے اور اپنے پر خلوص قلبی جذبات تشکر کا اظہار کرتے ہیں۔ حکومت کے عمل سے یہی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ انہی مسلمان لیڈروں اور راہنماؤں کی عزت کرتی ہے جو اس کے اہل ہیں۔ بلکہ آزادی کے دعویداروں کے اس سوال کا جواب بھی فراہم ہو جاتا ہے کہ اعزازات واقعی اہل لوگوں کو دیے جاتے ہیں۔ یہ درست ہے اور حقیقت کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مادی اور دنیاوی مفادات حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہنا نہ تو ہمارا فطری رجحان ہے اور نہ ہمارے دینی فرائض کا حصہ ہے۔ لیکن خدا کی مرضی کے مطابق ہمارے موجودہ حکمران اگر ہمیں کوئی اعزاز دیں' تو ہم اسے کیوں نہ قبول کریں اور شایان شان طور پر ان کی ستائش کیوں نہ کریں۔ اگر ہم ایسا کریں (یعنی اعزاز کی قدر اور اس پر شکرگزاری کا اظہار نہ کریں) تو خدا معاف کرے گویا' ہم ممنونیت اور شکرگزاری کے اس فرض سے

روگردانی کریں گے۔ جس کی ہمارے پاک مذہب نے ہمیں تعلیم دی ہے۔ اس سے غفلت برت کر ہم حکومت کی نظر میں اور خدا اور رسولؐ کے آگے اور تمام اخلاقی اصولوں کے آگے ذلیل و خوار ہوں گے..... یور آنر اگرچہ آج ہم ایک خاص "احسان و عنایت" کا شکریہ ادا کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ جو صرف مینجر (مہتمم) صاحب ہی پر نہیں بلکہ ہمارے پورے طبقہ پر کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ہمارے پیش نظر دارالعلوم کے لیے آپ کی نوازشیں بھی ہیں۔ جن کا حال مینجر (مہتمم) صاحب وقتاً" فوقتاً" بتلاتے رہتے ہیں۔ اس نظر کرم کی وجہ سے مسلم پبلک کا دارالعلوم پر اعتماد بحال ہوگا اور اس سے ہماری اس پالیسی کو تقویت ملے گی۔ جس کی تعریف یورپ کے بڑے بڑے آفیسر کرتے رہے ہیں.... ہمارا ایک اور صرف ایک مقصد ہے اور وہ ہے مذہبی آزادی کا تحفظ اور صرف مذہبی آزادی کا تحفظ! اس سے ہٹ کر کسی سیاسی تحریک کو مسترد کرنا یا قبول کرنا ہمارے قائم اور ناقابل تبدیل نظریے کے باہر ہے۔" (۱۳)

سپاسنامہ کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ارباب دارالعلوم حکومت برطانیہ سے دوستانہ تعلقات استوار کرچکے تھے۔ جبکہ مولانا سندھی اور مولانا محمود حسن حکومت برطانیہ کے خلاف معاندانہ رویہ رکھتے تھے۔ حکومت کے خلاف سرگرمیوں کی پاداش میں مولانا سندھی کو دارالعلوم دیوبند سے نکلنا پڑا۔ سید اسد مدنی لکھتے ہیں:

"ایک طرف تو شیخ الہند اور ان کے رفقاء ہر طرح کے خطرات کو مول لے کر حکومت برطانیہ سے حق خود

حواشی

۱۔ عبید اللہ سندھی: کابل میں سات سال، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۹۴ (سندھ ساگر اکادمی)

۲۔ ایضاً، ص ۹۷

۳۔ حسین احمد مدنی: نقش حیات، جلد دوم کراچی سن ندارد، ص ۱۵-۶۱۴ (دارالاشاعت)

۴۔ عبید اللہ سندھی: کابل میں سات سال، ص ۱۰۰

۵۔ ایضاً۔ ص ۱۰۰

۶۔ ایضاً۔ ص ۱۰۲

۷۔ ایضاً۔ ص ۳-۱۰۲

۸۔ محمد سرور: افادات و ملفوظات حضرت مولانا عبید اللہ سندھی، لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۶۶-۳۶۵ (سندھ ساگر اکادمی)

۹۔ ایضاً۔ ص ۳۶۶

۱۰۔ ایضاً ص ۶۷-۳۶۶ بحوالہ تذکرہ شیخ الہند مفتی عزیز الرحمن

۱۱۔ عبید اللہ لغاری: مولانا عبید اللہ سندھی کی سرگذشت کابل، اسلام آباد ۱۹۸۰ء، ص ۷۷ (قومی ادارہ برائے تحقیق و ثقافت)

۱۲۔ ۱۲۔ رشید احمد جالندھری: برطانوی ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم، دارالعلوم دیوبند، جلد اول اسلام آباد ۱۹۸۹ء، ص ۴۸-۲۴۷ (نیشنل بک فاؤنڈیشن) بحوالہ شان محمد: ہندوستانی مسلمان، ایک دستاویزی ریکارڈ، ج ۵، ص ۵۱-۵۴

۱۳۔ ابو سلمان شاہ جہان پوری: مولانا عبید اللہ سندھی کا دارالعلوم دیوبند سے اخراج، الولی جلد ۱۵ شمارہ ۲، ۳، ۱۹۹۱ء، ص ۳۲-۳۰